ایک مراسلہ

اَلاُمِّیُّوْن

علیگڑھ کے علمی سہ ماہی مجلہ '' فکر و نظر '' کی اکتوبر سنہ ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں اس عنوان سے ایک تحقیقی مقالہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے قلم سے شائع ہوا ہے۔مقالہ ۲۷ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اور نہایت کدّوکاوش سے لکھا گیا ہے۔ لفظ اُمّی کی تحقیق از روئے قرآن و حدیث و لغت بڑی ہی تفصیل سے پیش کی گئی ہے۔ قرآن کریم کے ایسے موضوعات پر اس قسم کی تحقیق بہت کم دیکھنے میں آتی ہے' میں نے اس مقالے کو بڑے غور سے پڑھا ہے اور اس سے استفادہ کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ میری معلومات میں بے انتہا اضافہ ہوا ہے۔

البتہ ایک مقام پر مولانائے محترم نے اپنی تحقیق و بحث سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے اس کا تطابق انجیل کے چند ایک جملوں سے میں نہیں کرسکا۔ میرے ناقص فہم کے مطابق یہ تحقیق انجیل کے ان جملوں کی روشنی میں تشنہ ہے اور مزید تحقیق کی متقاضی ہے۔ اس مجلہ کے ص ۱۲ پر مولانائے گرامی رقمطراز ہیں :

'' اصل یہ ہے کہ مذہبی اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم کی بعثت کے وقت عرب کے لوگ دو طبقوں میں منقسم تھے، ایک طبقہ ان لوگوں کا تھا جو اہل کتاب کہلاتے تھے۔ یہ کسی نہ کسی پیغمبر کو بھی مانتے تھے۔ یہ طبقہ یہود و نصاری و مجوس پر مشتمل تھا اس کے بالمقابل دوسرا طبقہ تھا۔ جو پیغمبر سے با خبر تھا نہ کسی کتاب سماوی سے۔ اس بنا پر یہ طبقہ پہلے کی نسبت زیادہ شدید گمراہی میں مبتلا تھا۔ بت پرستی کرتا تھا۔ شرک میں مبتلا اور رذائل اخلاق کا خوگر تھا۔ یہی وہ طبقہ تھا جسے قرآن امیون کہتا ہے۔ اس بنا پر امیون کے معنی ہیں وہ لوگ جو پہلے

سے کسی کتاب الہی اور پیغمبر سے آشنانہ ہوں، اس بنا پر ظاہر ہے جو شخص اس طبقہ سے تعلق رکھیگا، ان میں پیدا ہوگا اور ان میں رہ کر نشو و نما پائیگا وہ آمی کہلائیگا ۔ اس لفظ کا تعلق نوشت و خواند سے ہرگز نہیں ہے،،

خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر قابل توجہ ہیں ۔

اس کے بعد ص ۹۱ پر حافظ ابن حجر (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۶) اور قاضی عیاض کے حوالہ سے لکھتے ہیں :

،، اس کے علاوہ بھی متعدد روایات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حضور صرف کتابت ہی سے آشنا نہیں تھے بلکہ اس فن کے رمزدان و نکتہ شناس بھی اس درجہ کے تھے کہ امیر معاویہ جیسے مشہور کاتب کو بعض اوقات ہدایت فرماتے تھے کہ دیکھو ،، ب ،، کو سیدھا کرو ،، س ،، کے دندانے بناؤ ،، م ،، کو ٹیڑھا مت کرو ۔ اور ،، بسم اللہ ،، کو زیادہ مت کھینچو ۔ ،،

ان دونوں اقتباسات سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ لفظ اُمّی کا تعلق نوشت و خواند سے ہرگز نہیں ہے ۔

ISAIAH (یسعیاہ نبی) کی کتاب کے ۲۹ ویں باب کی گیارھویں اور بارھویں آیات اس موضوع پر قابل غور ہیں ۔ قیامت کے آثار بیان کرنے کے بعد لکھا ہے

11. And the vision of all is become unto you as the words of a book that is sealed, which men deliver to one that is learned, Saying, Read this I pray thee : and he saith, I cannot ; for it is sealed:
12. And the book is delivered to him that is not learned, Saying, Read this I pray thee : and he saith, I am not learned. ''
(*The Holy Bible* : Cambridge University Press, London. 1916, p. 739)

۱۱ ۔ ،، اور ساری رویا تمہارے نزدیک سربمہر کتاب کے مضمون کی مانند ہوگی جسے لوگ کسی پڑھے لکھے کو دیں اور کہیں اس کو پڑھ اور وہ کہے میں پڑھ نہیں سکتا کیونکہ یہ سربمہر ہے ۔

۱۲ ۔ پھر وہ کتاب کسی ناخواندہ کو دیں اور کہیں اس کو پڑھ اور وہ کہے میں تو پڑھنا نہیں جانتا،،

(یسعیاہ ۔ باب ۲۹ ،،کتاب مقدس،، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائیٹی انارکلی، لاہور ۔ مطبوعہ لندن ۱۹۴۷ء صفحہ ۶۸۲ - ۶۸۳)

میں نےان آیات کی طرف مولانا سعید احمد صاحب کی توجہ مبذول کروائی وہ اپنے خط مورخہ ۲۱ اپریل سنہ ۱۹۶۴ ع میں یوں رقمطراز ھیں -

'' الامیون کے سلسلہ میں آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا ھے اس کے متعلق گذارش یہ ھے کہ

(۱) میرے پاس عہد عتیق و عہد جدید کا اردو ترجمہ ھے اور اس کے علاوہ The Latest Revised Edition of Bible جو سب سے زیادہ مستند ھے وہ بھی ھے - میں اسے اپنے ساتھ کناڈا سے لایا تھا- میں نے آپ کے حوالہ کے مطابق انہیں دونوں میں تلاش کیا مگر یہ عبارت کسی میں نہیں ملی -

(۲) آپ نے جو آیت نمبر ۱۱ نقل کی ھے اسمیں یہ الفاظ ھیں .I cannot ; for it is sealed اس سے تو میری تائید ھوتی ھے - کیونکہ نہ پڑھ سکنے کا سبب یہ بتایا ھے کہ وہ مختوم ھے -

(۳) آیت نمبر ۱۲ میں بھی I am not learned کے الفاظ ھیں literate نہیں ھے - اس سے بھی مطلق کتابت و قرأت کی استعداد کی نفی ثابت نہیں ھوتی .''

بحث مندرجہ بالا سے ذیل کے نکات بالترتیب اخذ کئے جاسکتے ھیں -

اولاً - عہد عتیق و جدید کے مختلف ایڈیشنوں میں اختلاف واقع ھوتا چلا جارھا ھے- میں نے انگریزی کے دو ایڈیشن دیکھے ھیں جن میں جملے ذرا مختلف ھیں - مولانائے محترم کا فرمانا بالکل صحیح معلوم ھوتا ھے کہ ان کا ایڈیشن بھی مختلف ھو - یہ مقام قابل غور ھے کہ ایسا دیدہ و دانستہ کیا جارھا ھے کہ جہاں جہاں مذھب اسلام کے متعلق کچھ اشارات ھیں ان کو حذف کردیا جائے -

ثانیاً — اس آیت میں sealed کے لفظ سے کیا مراد ھے ' اور اگر عربی میں اس کا مترادف 'مختوم' ھو تو کیا یہاں final یعنی آخری کا مفہوم نہیں لیا جاسکتا جو ابھی (یعنی اس زمانہ تک) sealed یا مختوم تھی ؟ دوسرا مطلب یہ بھی ھوسکتا ھے کہ کتاب ابھی نازل ھی نہیں ھوئی ھو اور sealed کے معنی یہاں unrevealed کے ھوں - ایک معنی یہ بھی لئے جا سکتے ھیں کہ کتاب ابھی sealed ھے یعنی لوح محفوظ میں ھے - جس تک پڑھنے والے کی

رسائی نہیں اور یہ آیت اشارہ کر رہی ہو مستقبل میں نزول قرآن کی طرف -

ثالثاً — اس مقام پر یعنی آیت ۱۲ میں learned اور literate کے لفظ میں جو فرق مولانائے محترم نے تجویز فرمایا ہے کیا فرق ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ learned کے معنی بھی ' پڑھا لکھا ' کے ہیں کیونکہ جب ایک شخص کو کہا جارہا ہے کہ پڑھو تو وہ یہی جواب دیگا کہ میں پڑھا ہوا نہیں - اور اس کے لئے learned کا لفظ صحیح اور زیادہ فصیح ہے - میری نگاہ میں literate ایک جدید اصطلاح ہے - مگر ہمیں اس کے لئے انجیل کا اصل عبرانی نسخہ دیکھنا ہوگا کہ اس کے لئے وہاں کیا لفظ استعمال ہوا ہے جسکا ترجمہ learned کر دیا گیا ہے -

رابعاً — کیا دونوں آیات قرآن حکیم کی سورہٗ العلق کی طرف اشارہ نہیں کررہیں ؟ یہ سورۃ شروع ہی ان الفاظ سے ہوتی ہے - اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ①

جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زور دیکر بار بار رسول کریم صلی اللہ علیہ و سلم سے کہا کہ پڑھو تو حضور نے یہی جواب دیا کہ ''ما انا بقاریٔ'' اگر اقراٗ کے معنی محض پڑھنے یعنی recite کے ہوتے تو اس میں مشکل ہی کیا تھی ؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دو بار سہ بار تکرار سے کیوں کہنے کی ضرورت پیش آئی؟ ''ما انا بقاریٔ'' کی بجائے ''کیف اقراٗ'' یا ''ماذا اقراٗ'' کی جو توجیہیں پیش کی گئی ہیں ، میری نگاہ میں یہ بہت دور از کار ہیں - قرآن کریم کے نزول کے وقت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نوشت و خواند سے آگاہ نہ تھے اور یہی قرآن حکیم کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ ایک اُمی پر اس قسم کا کلام نازل فرمادیا گیا جس کی ایک آیت کا جواب بھی آج تک کوئی لا نہ سکا - این کلام از آسمانے دیگر است

قرآن کریم اپنے آپ کو بار بار کتاب کے لفظ سے مخاطب کرتا ہے' مثلاً ذالک الکتاب لاریب فیہ - اگر زبانی پڑھوا دینے (recite) کا سوال ہوتا یعنی پیچھے پیچھے پڑھتے جانے کا تو بار بار قرآن کریم کا خود کو کتاب کہنے سے کیا مطلب؟ یقیناً جبرئیل علیہ السلام حضور کو کتاب سے پڑھوا رہے تھے - لوح محفوظ سے اس کا ایک نسخہ ان کے پاس ہوگا - اور اللہ تعالیٰ کی طرف

سے ان کو خاص حکم اور تنبیہ ہوگی کہ اس ترتیب سے اور اس مقدار میں اتنے عرصہ تک اس کلام کو پڑھوانا ہے - ''اقراء'' کے معنی یقیناً سامنے تحریر کو دیکھ کر پڑھنے کے ہیں، زبانی دھرادینے کے نہیں اس لئے میری ناقص نگاہ میں learned کے معنیٰ ''پڑھا لکھا'' ہیں - اور الجیل کی یہ دونوں آیات نہ صرف لفظ آمی کی تشریح کررہی ہیں بلکہ نزول قرآن کی طرف بھی اشارہ کررہی ہیں - یہی وجہ ہے الجیل کی ان دونوں آیات میں read کا لفظ آیا ہے جو کہ صحیح اور فصیح ''اقراء'' کا مترادف ہے اور recite نہیں کہا گیا - اللہ اکبر! این کتابے نیست چیزے دیگر است

در حقیقت قرآن کے معنیٰ ہی ہیں پڑھنا To read - اور قرآن کے لفظ سے جس قدر بھی دیگر الفاظ نکلتے ہیں وہ بھی انہی معانی میں استعمال ہوتے ہیں: مثلاً (۱) قرء =اس نے پڑھا He read (۲) قراٗت =تونے پڑھا (Thou hast read) (۳) یقرؤن =وہ پڑھتے ہیں They are reading (۴) نقرء (بہ ضم نون) = ہم پڑھاتے ہیں We cause to read وغیرہم - اس لئے میرے خیال میں حضرت مولانا کا یہ فرمانا کہ وہ اس بنا پر ''اقراء'' سے یہاں مراد اردو میں ''زبانی پڑھو یا سناؤ'' ہی ہوسکتے ہیں اور اس کا قراٗت بمعنی کتاب پڑھنے سے کوئی تعلق ہرگز نہیں ہوسکتا'' (ص ۲۰ مقالہ محولہ بالا) کچھ مناسب معلوم نہیں ہوتا -

میں اپنے آپ کو فن تفسیر کا مبتدی بھی نہیں سمجھتا۔ یہ محض اتفاق ہے جو انجیل کی آیات مضمون پڑھنے کے بعد سامنے آگئیں اور توجہ اس طرف مبذول ہوگئی کہ مولانا کو مخاطب کردیا - جب ان کا جواب آیا تو تشفی نہ ہوئی اور خود سوچنے بیٹھ گیا - مدیر محترم ''فکر و نظر'' سے گذارش ہے کہ ان سطور کو اپنے موقر جریدہ میں جگہ دیکر ممنون فرمائیں تاکہ قارئین اس موضوع پر مزید روشنی ڈال سکیں - کیا عجب جو میری تشفی ہوجائے اور مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب کی یہ تحقیق پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے - اور یہ بھی بہت ممکن ہے کہ الجیل کی ان دو آیات سے کوئی صاحب علم ان پر اور روشنی ڈال کر حقایق قرآنی کو بیان کرسکیں -

لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید